دیس دیس کی کہانیاں

اطہر پرویز

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لئے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لئے کام کرنے والا یہ ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی معمول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں، تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیونکہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقا کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مسلّم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبے میں اردو انسائیکلوپیڈیا، ذولسانی اور اردو۔اردو لغات بھی شامل ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلا پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی اردو بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی

ترتیب

1. جیسے کو تیسا (یونانی کہانی) 5
2. پہلے کون بولا؟ (چیکوسلوواکیا کی کہانی) 8
3. پتھر کا سوپ (آئرلینڈ کی کہانی) 13
4. جونپور کا قاضی (ہندوستان کی کہانی) 18
5. مفت کی روٹی (روس کی کہانی) 22
6. آئینہ کی کہانی (جاپانی کہانی) 27
7. تین پھوے (یونانی کہانی) 32

جیسے کو تیسا

اب سے ہزاروں سال پرانی بات ہے کہ ایک ہرن اور گھوڑے میں بڑی دوستی تھی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ دوستوں میں بھی کبھی کھٹ پٹ ہو جاتی ہے۔ ہاں تو ایسا ہی ہوا۔ کسی معمولی سی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ مار پیٹ کی نوبت آ گئی۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہرن گھوڑے کے مقابلے میں دُبلا پتلا ہوتا ہے۔ گھوڑے کا جسم بھاری ہوتا ہے اور ہرن کا چھریرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس مار پیٹ میں گھوڑے کے بہت چوٹ آئی۔ ہرن نے خوب اُچھل اُچھل کر اس کو پیٹا۔ گھوڑے کے لیے اپنا بدن ہی سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ لیکن بے چارہ کچھ نہ کر سکا اور ہرن مار پیٹ کر چلتا بنا۔

گھوڑے کو بہت غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ ہرن سے بدلا لینا چاہیے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ بدلا لے تو کیسے۔ وہ بہت دنوں تک جنگل میں گھومتا رہا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہ آئی۔ اچانک اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی۔ جو تیر کمان لیے شکار کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔ اس نے آدمی سے پوچھا:

"میاں آدمی! تم جنگل میں اکیلے کیسے گھوم رہے ہو؟"
"میں شکاری ہوں اور اپنے شکار کی تلاش میں پھر رہا ہوں" آدمی نے جواب دیا۔
"اگر میں تم کو شکار بتاؤں تو کیا تم اس کو مار سکتے ہو؟" گھوڑے نے پوچھا
"ہاں کیوں نہیں۔ میرا تو کام ہی یہی ہے" شکاری نے خوش ہوکر کہا۔
اب تو گھوڑا خوش ہوگیا اور اس کی سمجھ میں ترکیب آگئی۔ اور اس نے یہ تجویز شکاری کے سامنے رکھ دی۔
"اس جنگل میں ایک ہرن رہتا ہے جو میرا دشمن ہے۔ تم چاہو تو اس کو مار سکتے ہو" شکاری نے کہا۔ مارنے کو تو ماردوں لیکن تم ہی بتاؤ کہ میں اس کے پیچھے کیسے دوڑ سکتا ہوں۔ البتہ ایک ترکیب ہے کہ اگر تم میری مدد کرو تو میں اسے ماردوں گا۔
گھوڑا خوش ہوگیا۔ اس نے کہا "میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ بس تم بتاؤ کہ میں کیا کروں"
شکاری نے کہا "بس مجھے اپنی پیٹھ پر چڑھ جانے دو۔ اس کے بعد تم مجھے اس راستے پر لے چلو جہاں وہ ہرن گیا ہے"
گھوڑے نے شکاری کو اپنی پیٹھ پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔
شکاری نے کہا "بھئی گھوڑے ایک بات سنو۔ اگر تم کو تکلیف نہ ہو تو میں تمھارے منہ میں لگام لگاؤں"
"لگام سے کیا ہوگا" گھوڑے نے پوچھا
"لگام سے یہ فائدہ ہے کہ اگر شکار نظر آجائے تو پھر میں تمھاری لگام

اسی طرف موڑ دوں گا۔ بس تم اسی طرف چلے چلنا۔ اس طرح ہم کو ہرن مل جائے گا۔ پھر میں اسے اپنے تیر کا نشانہ بنا دوں گا" گھوڑے نے کہا اچھی بات ہے۔ تم میرے منہ میں لگام لگا سکتے ہو۔" شکاری نے گھوڑے کے منہ میں لگام لگا دی۔ اور ہرن کی تلاش میں چل پڑا تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ ہرن نظر آیا۔ گھوڑے نے کہا "یہی وہ ہرن ہے جس سے میرا جھگڑا ہے۔ تم اسے مار دو۔"

شکاری نے گھوڑے کو اس کے پیچھے دوڑایا۔ گھوڑا تیزی سے دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ہرن کے بالکل قریب آ گیا۔ شکاری نے ایک نشانہ ہرن پر لگایا۔ تیر ہرن کے سینے پر لگا۔ ہرن نے بھاگنے کی کوشش کی مگر تھوڑی دور جا کر گر پڑا۔

اب تو گھوڑے نے اطمینان کا سانس لیا کہ اس کا دشمن مارا گیا اور اس نے شکاری سے کہا: "بھائی شکاری! میں تمھارا احسان مانتا ہوں کہ تم نے میرے دشمن کا کام تمام کر دیا۔ اب تم اپنے شکار کو لے کر بستی جا سکتے ہو"

شکاری نے کہا: "اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ مجھے شکار ملا اور ساتھ ہی ساتھ ایک فائدہ اور بھی ہوا۔"

گھوڑے نے کہا "کیا فائدہ؟"

شکاری نے کہا "مجھے پہلے سے تمھارے فائدے کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ تم تو بڑے کام کے جانور ہو۔" یہ کہہ کر اس نے لگام کھینچی اور گھوڑے کو اپنی بستی میں لے آیا۔ گھوڑا بے چارہ بے بس تھا۔ کرتا تو کیا کرتا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن گھوڑے کے منہ سے لگام نہیں نکلی اور گھوڑے کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لے پھرے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ آپس میں لڑنا بھڑنا ٹھیک نہیں ہے

(یونان کی قدیم کہانی)

پہلے کون بولا ؟

کسی گاؤں میں ایک موچی رہتا تھا موچی یعنی جوتے بنانے والا ۔
یہ موچی بہت اچھی عادت کا تھا۔ کسی سے لڑتا جھگڑتا نہ تھا۔ ایک دن اس کی شادی ہوگئی۔ اسے بڑی اچھی خوب صورت سی دلہن ملی۔ اب تو دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ جو کماتے اس میں گزر کرتے۔ دونوں میں کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہوتا تھا۔ ایک دن موچی کا جی چاہا کہ مرغی کا گوشت کھائے۔ اس نے بیوی سے کہا۔

"پیاری! آج میرا جی چاہتا ہے کہ تم مجھے مرغی کا گوشت پکا کر کھلاؤ۔"

"ضرور۔ اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ میں آج ہی پکائے دیتی ہوں"
یہ کہہ کر وہ مرغی لے کر آئی اور مرغی کا گوشت پکانا شروع کر دیا۔ موچی اپنی دکان میں بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ جب گوشت بھننے لگا تو اس کی خوشبو سارے گھر میں پھیل گئی۔ موچی بھوکا تو تھا ہی اس خوشبو سے اس کی بھوک اور بڑھ گئی۔ وہ بار بار اٹھ کر دیکھتا کہ ہانڈی تیار ہوگئی یا نہیں۔

بیوی نے کہا: "ابھی صبر کرو۔ جب پک کر ہانڈی تیار ہو جائے گی تو ہم دونوں ایک ساتھ بیٹھ کر کھالیں گے۔ یہ سن کر موچی خوش خوش دکان میں جاکر بیٹھ گیا۔ جب ہانڈی پک کر تیار ہوگئی تو موچی کی بیوی آئی۔ اور بولی: "سنتے ہو

جی! کھانا تو پک گیا مگر ابھی بہت گرم ہے۔ اتنے میں پڑوسن کے یہاں جاکر اپنے کرُتے کا کپڑا کاٹ آؤں۔"

"ضرور ضرور، مگر ذرا جلدی کرنا۔ کیوں کہ مجھے بھوک بہت لگ رہی ہے۔ اور تم جانتی ہو کہ میں تمھارے بغیر کچھ کھا نہیں سکتا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں جلدی آؤں گی۔ اور ابھی ہانڈی بھی تو کتنی جل رہی ہے۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

کچھ دیر بعد موچی کی بھوک اور بڑھی۔ گوشت کی خوشبو اور پھیلی۔ موچی کو اور زیادہ بھوک لگی۔ اب تو وہ بے چین ہوگیا۔ اس نے سوچا تھوڑا چکھ لینا چاہیے کہ میری بیوی نے کیسا گوشت پکایا ہے۔ یہ سوچ کر وہ اندر گیا۔ اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے چکھا ——— ارے باپ رے! یہ تو بڑے مزے کا ہے۔ واہ رے میری بیوی! کیا مزے کا گوشت پکایا ہے۔ اتنا چکھنے کے بعد وہ بھوک سے بے قابو ہوگیا۔ اس نے سوچا ذرا سا اور چکھنا چاہیے۔ اس نے ایک اور ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھا۔ لیکن بھوک کم تو کیا ہوتی۔ وہ تو اور بڑھ گئی۔ اب تو موچی کو اپنی بھوک پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا کہ پتا نہیں میری بیوی کو واپس آنے میں کتنی دیر لگے۔ اتنی دیر میں میری بھوک بھی ختم ہو جائے گی اور اس کا مزا بھی خراب ہو جائے گا۔ میں کیوں نہ اپنے حصّے کا گوشت کھالوں۔ یہ کہہ کر اس نے ہانڈی ہی میں گوشت کے دو حصّے کیے اور جلدی جلدی اپنے حصّے کا گوشت کھالیا۔ لیکن اپنا حصّہ کھانے کے بعد بھی اس کی بھوک جوں کی توں رہی۔ اتنے مزے کا گوشت اس نے پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی بیوی کتنی اچھی ہے جو اس کے لیے اتنا اچھا کھانا پکاتی ہے۔ اس کو افسوس ہوا کہ اس نے اکیلے کیوں کھایا۔ اس کی بیوی

کو بھی افسوس ہوگا. لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ وہ اب اکیلے نہیں کھائے گا. وہ اسے اپنے حصّے میں سے ضرور کھلائے گی. یہ سوچ کر وہ اٹھنے والا ہی تھا کہ اسے خیال آیا کہ اگر اس وقت اس نے اپنے ساتھ کھلایا تو اسے بالکل مزا نہ آئے گا. کیوں کہ اسے بھوک تو اب لگ رہی ہے. اس خیال کا آنا تھا کہ وہ پھر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اس کے ساتھ کھاؤں یا اکیلے کھاؤں برابر ہے. اس لیے بہتر ہے کہ وہ جتنا اپنے ساتھ کھلائے گی اُتنا میں ابھی کیوں نہ کھالوں. اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے اپنی بیوی کے حصّے میں سے بھی دو حصّے کیے. اور جلدی جلدی ایک حصّہ کھالیا. اب اس کی نظر بیوی کے حصّے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ یہ تو بہت تھوڑا رہ گیا ہے. جب میری بیوی آئے گی تو بہت ناراض ہوگی. اور ممکن ہے غصّے میں آکر اسے بھی پھینک دے اور بلاوجہ اتنا مزے دار گوشت خراب ہو. اس کے علاوہ گھر میں جھگڑا بھی ہوگا. اس لیے بہتر ہے کہ میں اس گوشت کو بھی کھالوں. اور بیوی سے جھوٹ بول دوں کہ کسی کتّے نے آکر کھالیا ہوگا. ذرا سا جھوٹ تو بولنا پڑے گا. مگر اس سے فائدہ ہوگا کہ گھر میں جھگڑا نہ ہوگا. یہ سوچ کر اس نے جلدی جلدی وہ گوشت بھی کھالیا. اور مُنہ دھوکر کپڑے سے پونچھ کر اپنے اڈے پر آکر بیٹھ گیا. اور کام میں مصروف ہوگیا

تھوڑی دیر کے بعد اس کی بیوی آئی تو اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر بڑی لگن کے ساتھ کام کررہا ہے. اس نے کہا "مجھے معاف کرنا دیر ہوگئی. لیکن ابھی ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے" وہ تیزی سے باورچی خانے میں پہنچی اور دیکھا کہ ہانڈی چٹی چٹائی خالی پڑی ہے. وہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو یہ اس کے شوہر کی کارستانی ہے اس نے چلا کر پوچھا کیوں جی! یہ تم نے اکیلے ہی سارا گوشت کھالیا" موچی نے آواز بنا کر

جواب دیا "کیسا گوشت؟ میں کیوں کھاتا؟ تم نے خود کھایا ہوگا۔ یا پھر ہانڈی کھلی چھوڑ گئی ہوگی۔ کتے یا بلی نے کھایا ہوگا۔"

"نہیں کتے بلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہانڈی دیکھنے سے لگتا ہے کہ کسی آدمی نے کھائی ہے۔"

"اور پھر کس نے کھائی ہے۔ تم نے تو نہیں؟"

"تم نے خود کھائی ہوگی۔ یہ اچھا رہا کہ کھا پی کر پڑوسن کے یہاں چلی گئیں اور اب مجھ پر الزام لگاتی ہو۔"

"میں پھر کہہ رہی ہوں کہ میں نے نہیں تم نے کھایا ہے۔"

"میں بھی کہہ رہا ہوں کہ تم نے کھایا ہے۔" اب تو دونوں میں خوب زور کی لڑائی ہوئی۔ دونوں میں کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔ آخر دونوں نے مل کر طے کیا کہ دونوں چپ ہو جائیں۔ جو پہلے بولے سمجھو اس نے کھایا ہے۔

اب دونوں بالکل چپ ہو گئے۔ اس طرح ایک دن گزرا، دو دن گزرے، چار دن گزرے، ہفتہ گزر گیا۔ دونوں اپنا کام خاموشی سے کرتے اور ذرا سی بھی آواز نہ نکالتے۔ ایک دن صبح کے وقت موچی اپنا کام کر رہا تھا کہ اچانک اس کی دکان کے سامنے ایک گاڑی آکر رکی۔ اور گاڑی میں سے ایک آدمی نے اتر کر موچی کی بیوی سے پوچھا۔ "ارے دیوی! گاؤں کے مکھیا کا گھر کہاں ہے؟ کون سا راستہ جاتا ہے؟"

موچی کی بیوی منہ سے تو نہ بولی لیکن اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس آدمی نے کہا "یہ گونگی معلوم ہوتی ہے اس کے شوہر سے پوچھنا چاہیے وہ بتا دے گا۔ اس نے بڑھ کر موچی سے پوچھا

"کیوں جی! گاؤں کے مکھیا کا گھر کون سا ہے؟"

موچی نے بھی اشارہ کیا۔ وہ آدمی ہنسا ـــــ کن گونگوں میں آکر پھنس

گئے. یہ کمبخت بھی گونگا نکلا.

یہ سن کر موچی کی بیوی کو بہت غصہ آیا. یہ مسافر میرے شوہر کو گونگا کہہ رہا ہے. وہ تیزی سے بڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گئی. اور اشارہ کیا کہ چلو میں بتاتی ہوں. مسافر بھی گاڑی میں آگیا. اور اس نے سڑک پر چلنے کے لیے اشارہ کیا. گاڑی تیزی سے چلنے لگی. موچی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا. وہ سمجھا کہ اس کی بیوی ناراض ہوکر جارہی ہے. اس نے بڑے زور کی آواز دی.

"آجاؤ میری پیاری! آجاؤ. گوشت میں نے کھایا تھا. میری غلطی تھی."

موچی کی بیوی نے جو اپنے شوہر کی آواز سنی تو اس نے جلدی سے گاڑی رکوائی، اور کود پڑی. اور دوڑتی ہوئی آئی اور اپنے شوہر سے لپٹ گئی. اس کی آنکھوں میں آنسو تھے.

"میرے پیارے مجھے معاف کرنا. میری غلطی تھی. اگر تم نے کھایا تو کیا ہوا. میں نے کھایا یا تم نے کھایا برابر ہے." شوہر نے کہا کہ اب ہم دونوں کبھی ایک دوسرے سے نہیں لڑیں گے. اور ہمیشہ محبت کے ساتھ رہیں گے.

(چیکوسلوواکیا کی قدیم کہانی)

پتھر کا سوپ

کہتے ہیں کہ آئرلینڈ میں کسی زمانے میں ایک بوڑھا رہتا تھا۔ وہ تھا بڑا عقل مند۔ وہ ایک بار دور دراز کے سفر پر روانہ ہوا۔ اس کے پاس جو کچھ تھا سب ختم ہوگیا۔ اب تو وہ بھوکا رہنے پر مجبور تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ اور بھوک تھی کہ برابر بڑھتی جارہی تھی۔ اِدھر بارش ہونی شروع ہوئی تو رُکنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ اس کے تمام کپڑے پانی سے تر ہوگئے۔ رات ہوگئی تھی اور ابھی تو اُسے بہت دور جانا تھا۔ کچھ دور پر اسے ایک روشنی دکھائی دی۔ "ارے یہاں تو کوئی رہتا ہے!" اس نے غور سے دیکھا اور ذرا قریب گیا تو پتا چلا کہ یہ تو شاندار مکان ہے۔ وہ ہمت کرکے مکان کے قریب چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ دروازہ کھلا۔ یہ رسوئی گھر تھا۔ باورچی نے کہا۔ "تم کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

بوڑھے نے کہا: "میں بہت بھوکا ہوں۔ مجھے کچھ کھلاؤ۔"

باورچی نے کہا: "مجھے ابھی بہت کام ہے۔ ابھی مجھے مُرغ کا گوشت پکانا ہے۔ مالک کے آنے کا وقت ہوگیا ہے۔ تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

بوڑھے نے خوشامد کرتے ہوئے کہا: "اچھا تو مجھے اپنے کپڑے سکھا لینے دو۔ دیکھتے نہیں مارے سردی کے تھرتھر کانپ رہا ہوں۔ اور بہت تھک گیا ہوں۔ ذرا میرے اوپر رحم کرکے مجھے اتنی اجازت دے دو کہ میں تمہارے چولہے کے

سامنے بیٹھ جاؤں۔ بس میں تھوڑی دیر بیٹھوں گا۔"

"اچھا تو تم چولہے کے پاس بیٹھ جاؤ، لیکن میرا وقت خراب مت کرو۔ چُپ چاپ بیٹھو۔" وہ بوڑھا "شکریہ" کہہ کر آگ کے پاس بیٹھ گیا۔

آگ تیز تو تھی ہی، اس کے کپڑے سوکھ گئے۔ اور اس کے بدن میں گرمی آئی۔ اب اس کی بھوک اور بڑھ گئی۔ آخر اس نے اپنے دماغ پر زور ڈالا۔ اور اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے باورچی سے کہا۔ تم جانتے ہو۔ میں بہت اچھا باورچی ہوں۔ میں بہت اچھا سوپ (شوربہ) تیار کر سکتا ہوں۔ اور اس میں خرچ بھی کم ہوتا ہے۔ اسے پتھر سے تیار کرتے ہیں۔

"پتھر کا سوپ! میں نے تو ایسے سوپ کا نام بھی نہیں سُنا۔ تم کیسے بناتے ہو؟" "اس میں کیا مشکل ہے؟ میں ابھی تم کو دکھاتا ہوں۔ لاؤ مجھے ایک ہانڈی دو، اور تھوڑا سا پانی۔ میں پکا کر تم کو سکھا دیتا ہوں۔ پھر تم بھی پکاتے رہنا۔"

باورچی نے اسے ہانڈی اور پانی دے دیا۔ بوڑھے نے ہانڈی میں تھوڑا پانی بھر کر آگ پر رکھ دیا، پھر اس نے ایک صاف ستھرا پتھر جیب سے نکالا اور اچھی طرح دھوکر ہانڈی میں ڈال دیا۔ جب پانی کچھ گرم ہو گیا تو اس نے ذرا سا پانی لے کر چکھا، اور بولا "بڑا مزے دار سوپ ہے۔ بس ذرا نمک پڑے گا۔ تم جانتے ہو کہ نمک تو ہر کھانے میں ہونا ضروری ہے۔" باورچی نمک لینے گیا۔ سامنے میز پر کچھ سبز ترکاری رکھی تھی۔ بوڑھے نے بڑھ کر کچھ ترکاری بھی ڈال دی۔ اتنے میں باورچی نے نمک لاکر دیا۔ بوڑھے نے ہانڈی کو دیکھا۔ "بڑا اچھا سوپ تیار ہونے والا ہے۔ بس ذرا سا پیاز لہسن اور پڑے گا۔"

باورچی نے کہا: "تم اسے دیکھتے رہو۔ کہیں زیادہ نہ پک جائے۔ میں ابھی پیاز اور لہسن لاکر دیتا ہوں۔ اور ذرا سی دیر میں باورچی نے اُسے کچھ پیاز لہسن اور مرچ لاکر دیے۔ بوڑھے نے پیاز لہسن اور مرچ کاٹ کر ہانڈی میں ڈال

دیجئے۔ اب ہانڈی میں سے بڑی اچھی خوشبو آئی۔ کتنا اچھا سوپ تیار ہوا ہے۔ بس اسے ذرا سا چلانے کی ضرورت ہے۔
باورچی نے کہا: "تم فکر مت کرو، میں ابھی تم کو بڑا چمچا لا کر دیتا ہوں۔"
بوڑھے نے کہا: "نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ پتھر کے سوپ کی ہانڈی چمچے سے نہیں چلائی جاتی۔ یہ سامنے جو گوشت رکھا ہے اگر تم کہو تو میں اس میں جو بڑی ہڈی پڑی ہے اس سے اپنی ہانڈی چلا لوں۔
باورچی نے کہا: "ضرور، ضرور۔" اس نے ایک بڑی سی ہڈی اٹھالی۔ جس کے سرے پر کافی گوشت لگا ہوا تھا۔ اور اس سے ہانڈی کو چلانا شروع کر دیا۔ وہ ہانڈی چلاتا جاتا تھا اور باورچی سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ باورچی بھی بڑے غور سے ہانڈی کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ سوپ اچھا ہوا تو میں اس ترکیب سے پتھر کا سوپ پکاکر لوگوں کو دکھاؤں گا اور حیرت میں ڈال دوں گا اور لوگ میرا سوپ پینے کے لیے دور دور کے ملکوں سے آیا کریں گے۔"
بوڑھے نے کہا: "سوپ تو اچھا ہے۔ البتہ ذرا پتلا ہے۔ اس لیے اگر تمہارے پاس آٹا ہو تو مجھے دے دو۔ اس کو ڈال کر سوپ کو گاڑھا کر دوں۔ باورچی نے اسے تھوڑا سا آٹا دے دیا۔ اس نے یہ آٹا بھی ہانڈی میں ڈال دیا اور ہڈی سے چلاتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد چکھ کر بولا۔" بھائی ذرا سی کسر ہے ورنہ مجھے یقین ہے کہ تم نے ایسا سوپ کبھی چکھا بھی نہ ہوگا۔" باورچی نے کہا: "نہیں بھائی میں کہاں چکھتا۔ اور مجھے تو حیرت ہے کہ پتھر کا سوپ بھی تیار ہوسکتا ہے۔" مگر اب کیا کسر رہ گئی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "اگر اس وقت کہیں ذرا سا مکھن اور بوند بھر دودھ ہوتا تو ہم یہ پتھر کا سوپ بادشاہ کو بھی پیش کر سکتے تھے۔"
باورچی نے کہا ذرا ٹھہرو۔ میرے پاس مکھن اور دودھ دونوں ہیں۔" ذرا

سی دیر میں اس نے مکھن اور دودھ لاکر دے دیا۔ بوڑھے نے اسے بھی ہانڈی
میں ڈال دیا۔ اور خوب اچھی طرح پھینٹنے لگا۔ ہانڈی میں سے اب اور اچھی خوشبو
اٹھنے لگی۔ بوڑھے نے کہا اتنا شاندار سوپ تیار ہو رہا ہے۔ تم کہو تو یہ مُرغی کا
گوشت بھی اس میں ڈال دوں۔ تاکہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس پتھر کے سوپ میں:
باورچی تو غور سے ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسے تو دنیا کی اور
کسی چیز کا خیال نہ تھا۔ بوڑھے نے اُسے اپنی باتوں میں ایسا لگایا کہ اس نے کہا
"ضرور۔ ضرور۔"

اب بوڑھے نے مُرغی کا سارا گوشت ہانڈی میں ڈال دیا۔ اور باورچی سے
بولا۔ "بس اب ذرا سے صبر کی ضرورت ہے۔ تم دیکھنا کتنے مزے کی ہانڈی تیار
ہوتی ہے صاحب تو تمام رسوئی گھر میں ہانڈی کی خوشبو پھیل رہی ہے۔
بوڑھے کے ساتھ باورچی کی بھوک بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ ذرا سی دیر
کے بعد ہانڈی تیار ہوئی۔ اور بوڑھے نے چکھ کر کہا۔ "لو دیکھو! کتنے مزے کا
سوپ تیار ہوا ہے۔"

باورچی نے کہا: "اور وہ بھی پتھر کا۔"

بوڑھے نے کہا: "یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ میں تم کو کمال تو اب
دکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ہانڈی میں سے پتھر نکال لیا۔ اور دھو کر کہا: "دیکھو
یہ پتھر ابھی جوں کا توں موجود ہے۔"

باورچی یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔ اس کے بعد دونوں نے آدھا آدھا سوپ
پیا۔ باورچی کو خوب مزا آگیا۔ اس نے کہا: "میں نے ایسا سوپ اپنی زندگی میں کبھی
نہیں پیا تھا۔ بوڑھے نے بھی خوب ڈٹ کر سوپ پیا۔ اب بارش رک گئی۔ بوڑھے
نے باورچی سے جانے کی اجازت مانگی۔ باورچی نے کہا: "میرے پاس ایک پونڈ
ہے۔ تم مجھے یہ پتھر دے دو۔ میں عمر بھر تمہارا احسان مانوں گا۔"

بوڑھے نے وہ پتھر باورچی کو دے دیا۔ اور پونڈ جیب میں ڈال کر چلتا بنا
اور سوچنے لگا کہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ عقل بڑی ہوتی ہے نہ کہ بھینس۔"
جب ذرا باہر نکل گیا تو باورچی کو آواز دے کر بولا "کیوں بھائی ہانڈی پکانے
کی ترکیب تو آ گئی؟" "ہاں۔ اور کیا۔ اب تو میں خود پکا سکتا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔
تمہارا بہت بہت شکریہ۔ کتنا مزے کا ہوتا ہے پتھر کا سوپ۔

جونپور کا قاضی

آئیے! ایک اور دلچسپ کہانی سنائیں۔ یہ اس وقت کی کہانی ہے جب نہ تو ایسے اسکول تھے، جیسے آج کل ہیں۔ اور نہ ایسی عدالتیں تھیں، جیسی آج کل پائی جاتی ہیں۔ مولوی یا پنڈت اپنے گھروں میں بچے پڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے شہروں میں قاضی ہوتے تھے۔ جو لوگوں کے آپس کے جھگڑے طے کیا کرتے تھے۔

ایک گاؤں میں ایک دھوبی تھا۔ وہ روزانہ ایک مولوی صاحب کے مکان کے سامنے سے ہو کر گزرتا تھا۔ مولوی صاحب بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن عجیب بات ہوئی۔ جب دھوبی ادھر سے گزرا تو اس نے سُنا کہ مولوی صاحب اپنے شاگردوں سے کہہ رہے ہیں: "شریر بچو۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ میں گدھے کو انسان بناتا ہوں۔ میں نے بہت سے گدھوں کو انسان بنایا ہے۔ میں نے انھیں لاتیں ماری ہیں اور ڈنڈے بھی۔" دھوبی کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔

دن بھر کام کرنے کے بعد شام کو دھوبی گھر واپس ہوا۔ تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: "سنتی ہو، اپنے گاؤں کے مولوی صاحب گدھوں کو آدمی بنالیتے ہیں وہ بہت ہی ہوشیار آدمی ہیں۔ ہمارے کوئی اولاد نہیں ہے۔ کتنی اچھی بات ہو اگر ہم اپنے گدھوں میں سے ایک گدھے کو آدمی بنوالیں۔ دھوبی کی بیوی بولی: ہاں واقعی کتنی اچھی بات ہے۔ ہمارا بڑھاپا ہے، چل چلاؤ کا وقت ہے۔ گھر کی دیکھ بھال

کرنے کو بھی کوئی نہیں ہے۔ ہمارے پاس گدھے تو بہت سے ہیں ہی۔ تم اپنے موتی (گدھے) کو مولوی صاحب کے پاس کیوں نہیں لے جاتے۔ بلا سے سو دو سو روپے خرچ ہو جائیں تو بھی کوئی فکر کی بات نہیں۔ مگر دیر مت کرو۔"

دوسرے دن دھوبی مولوی صاحب کے پاس پہنچ ہی تو گیا۔ اس نے مولوی صاحب کو سلام کیا اور درخواست کی: "مولوی صاحب میرے کوئی لڑکا نہیں ہے۔ اگر آپ میرے ایک گدھے کو آدمی بنا دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" مولوی صاحب تو بس چونک ہی پڑے اور بولے: "تم کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تمھارا گدھا کبھی آدمی بن سکتا ہے۔" دھوبی نے کہا: "مولوی صاحب اس طرح اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش نہ کیجیے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا ہے کہ آپ گدھے کو آدمی بناتے ہیں۔ میں آپ کے پیروں پڑتا ہوں۔ آپ میرے گدھے کو بھی آدمی بنا دیں۔"

مولوی صاحب کی دھوبی کے سامنے ایک نہ چلی۔ مگر مولوی صاحب تھے بہت عقل مند۔ سمجھ گئے کہ دھوبی بالکل بے وقوف ہے اور اس سے روپیہ اینٹھنے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب بولے: "اچھا سنو میرے دوست! گدھے کو آدمی بنانا کوئی بچوں کا کھیل تو ہے نہیں۔ بہت محنت کرنی پڑے گی۔ مجھے تمھارے ساتھ بہت ہمدردی ہے۔ اس لیے میں تمھارا کام کر دوں گا۔ مگر تمھیں گدھے کے ساتھ دو سو روپے دینے پڑیں گے۔"

دھوبی خوش ہو کر اپنے گھر گیا۔ دوسرے دن مولوی صاحب کے پاس دو سو روپے اور ایک گدھا لے کر آیا۔ روپے مولوی صاحب کو دیے اور کہا: "مولوی صاحب گدھا صحن میں کھڑا ہے۔" مولوی صاحب بولے: "دوست اطمینان رکھو۔ میں ضرور اس گدھے کو ایک اچھا آدمی بناؤں گا۔ تم میرے پاس چھ مہینے بعد آنا۔" اِدھر دھوبی کا جانا ہوا۔ ادھر مولوی صاحب نے اپنے

ایک شاگرد کو بلاکر کہا "اس گدھے کو لے جاؤ اور جنگل میں اتنی دور ہانک آؤ کہ یہ پھر واپس نہ آسکے۔"

رفتہ رفتہ چھ مہینے بھی گزر گئے۔ ایک دن دھوبی پھر مولوی صاحب کے پاس گیا۔ مولوی صاحب نے دیکھتے ہی کہا "میرے دوست! تم اتنے دنوں کہاں رہے۔ تمھارا گدھا تو بڑا ہوشیار آدمی بن گیا ہے۔ اب وہ جونپور کا قاضی ہے۔ تم اس سے وہیں جاکر مل لو تو اچھا ہے۔"

دھوبی نے کہا "مگر میں اسے پہچانوں گا کیسے؟ مولوی صاحب! میں نے تو اسے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

مولوی صاحب بولے "تم بھی گدھے ہی رہے۔ سارا جونپور قاضی کو جانتا ہے۔ اسے ڈھونڈنا کیا مشکل ہے۔ سورج ڈھونڈنے کے لیے بھی کہیں چراغ کی ضرورت ہوتی ہے؟ لیکن تم وہ بورا ضرور لے جانا۔ جس میں موتی دانا کھایا کرتا تھا۔ جب وہ بورے کو دیکھے گا تو تمھیں پہچان لے گا۔ سمجھ گئے نا؟"

دھوبی گھر آیا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اس نے سارا واقعہ اپنی بیوی کو سنایا۔ اور سفر پر روانہ ہوگیا جب وہ جونپور پہنچا تو قاضی عدالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ دھوبی نے دور سے قاضی کو دیکھا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ یہ مولوی بھی بلا کے قابل نکلے۔ میرے گدھے کو کتنا چالاک پھرتیلا اور خوب صورت آدمی بنادیا ہے۔" وہ اس فکر میں تھا کہ موقع ملے تو بورا دکھاؤں۔

جب کبھی قاضی لکھتے لکھتے سر اٹھاتا اور سامنے دیکھتا۔ دھوبی اسے بورا دکھا دیتا۔ دھوبی گھنٹوں یہی کرتا رہا۔ پھر تو قاضی کو بڑا تعجب ہوا، کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ اس نے فوراً دھوبی کو بلوایا۔ دھوبی بہت خوش تھا۔ اور جی ہی جی میں کہہ رہا تھا "آخر کار اس نے بلوا ہی لیا۔" قاضی نے بورا دکھانے کا سبب پوچھا۔ دھوبی کو سخت غصہ آیا۔ وہ چیخ چیخ کر بولا "ناشکرے۔ تو کیسی

باتیں کر رہا ہے۔ تو اپنے مالک کو نہیں پہچانتا۔" اتنا کہہ کر اس نے دانے کا بورا دکھایا۔ تو اس بورے کو بھی نہیں پہچانتا۔ جس میں سے تو روزانہ دانا کھاتا تھا۔ تجھے مولوی صاحب نے گدھے سے آدمی بنا دیا۔ تو پچھلی باتیں بھول گیا۔ میرے گدھے اب گھر چل۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تو یہ کام کرے۔"

قاضی سارے معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا۔ مگر دھوبی کو سمجھانا بڑا مشکل کام تھا۔ قاضی کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں لوگ اسے دھوبی کا بیٹا نہ سمجھنے لگیں۔ اس نے اپنے چپراسی سے دھوبی کو باہر نکلوا دیا۔

دھوبی کو بڑا دکھ ہوا۔ وہ روتا چیختا اور چلّاتا ہوا گیا۔ "یہ کتنا ناشکرا ہے۔ میں نے اسے گدھے سے انسان بنوایا اور یہ مجھے اپنے گھر سے نکلوا رہا ہے کتنی بے انصافی ہے۔ میں اسے مزا چکھاؤں گا۔ اب مجھے اس وقت تک چین نہ آئے گا جب تک میں اسے انسان سے گدھا نہ بنوا لوں۔" غصّے سے بھرا ہوا دھوبی گھر واپس ہوا۔ سارا قصّہ مولوی صاحب کو سنایا اور بولا "میری درخواست ہے کہ آپ اس آدمی کو پھر گدھا بنا دیں۔ آپ جو مانگیں گے میں دوں گا۔ میں اسے مزا چکھانا چاہتا ہوں۔" مولوی صاحب دل ہی دل میں ہنسے۔ دھوبی سے کہا۔ "دو سو روپے دے جاؤ۔ اور ایک ہفتہ بعد آنا۔" ایک ہفتہ بعد دھوبی مولوی صاحب کے پاس گیا۔ اپنے موتی کو صحن میں بندھا دیکھ کر وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔۔۔ دھوبی بولا "کم بخت مفت کا مال کھا کھا کر کتنا موٹا ہو گیا ہے۔ اس دن تجھے میرا ذرا بھی خیال نہ آیا۔ اب میں تجھے دیکھوں گا۔" یہ کہہ کر دھوبی نے گدھے کو کھولا۔ گدھے پر سوار ہوا۔ اور گھر کی طرف چل دیا۔ راستے بھر گدھے کی خوب مرمّت کی۔ آپ سمجھے کیوں؟ اسے بدلا جو لینا تھا۔

(ہندوستان کی قدیم کہانی)

مفت کی روٹی

ایک کسان اپنے بیلوں کے لیے گھاس چھیل رہا تھا۔ جب دوپہر ہوئی تو وہ ایک جھاڑی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اور روٹی نکال کر کھانے لگا۔ ابھی اُس نے کھانا ہی شروع کیا تھا کہ ایک بھیڑیا آگیا۔ اور بڑی عاجزی کے ساتھ کسان سے بولا۔

"بھیّا کسان! کیا کھا رہے ہو؟"

"روٹی۔" کسان نے جواب دیا۔

"کیسی ہوتی ہے روٹی؟" بھیڑیئے نے پوچھا۔

"بڑی مزے کی۔" کسان نے روٹی کا مزا لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تب تو مجھے بھی چکھاؤ۔" بھیڑیئے نے زبان نکالتے ہوئے کہا۔

"ضرور چکھو۔" کسان نے یہ کہہ کر ایک روٹی بھیڑیئے کو بھی دے دی۔

روٹی کھا کر تو بھیڑیئے کو خوب مزا آیا۔ اپنے ہونٹ چاٹتے ہوئے بولا۔ "سچ مچ بڑے مزے کی ہے روٹی۔ ذرا مجھے بھی بتاؤ۔ کیسے مل سکتی ہے؟"

کسان نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں تمھیں بھی بتاتا ہوں کہ روٹی کیسے ملتی ہے۔ بھیّا پہلے تمھیں زمین جوتنی پڑے گی۔"

"پھر مل جائے گی مجھے روٹی۔" بھیڑیئے نے بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

کسان نے کہا: "صبر کرو بھائی۔ صبر کرو۔ ابھی روٹی کہاں۔ جب زمین کو اچھی طرح جوت لو پھر تمھیں زمین پر پٹیلا پھیرنا پڑے گا۔ کہ مٹی کے ڈھیلے ٹوٹ جائیں۔"

"اچھا تو پٹیلا پھیرنے کے بعد روٹی مل جائے گی:" بھیڑیئے نے خوشی سے دُم ہلاتے ہوئے کہا۔

کسان اس کے پھر ٹوکنے پر چڑ گیا۔ اور بولا۔ پہلے پوری بات تو کہہ لینے دو۔ خواہ مخواہ بیچ میں ٹوکتے ہو۔ ابھی تو تم کو اناج بونا پڑے گا۔"

"تب جاکر کہیں روٹی تیار ہوگی۔" بھیڑیئے نے ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔

"ابھی کہاں ابھی تو فصل کا انتظار کرنا پڑے گا۔ سردی گزرنے تک۔ ہولی تک کہیں فصل پک کر تیار ہوتی ہے۔"

"اوہ" بھیڑیئے نے ٹھنڈی سانس بھری: "بڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے بعد تو بہت سی روٹی کھانے کو ملتی ہے۔"

"ابھی کہاں۔ ابھی سے روٹی کیسے ملے گی۔" کسان نے بھیڑیئے کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ابھی روٹی کہاں ملے گی۔ پہلے اناج کاٹنا ہوگا۔ اس کے گٹھے بنانے ہوں گے۔ پھر گٹھوں کا ڈھیر بنانا ہوگا۔ ہوا اس کا بھوسا اُڑائے گی۔ اور دھوپ اس کو سکھائے گی۔ اس کے بعد اسے پھٹکنا پڑے گا۔"

"تب کہیں جاکر مجھے روٹی ملے گی:" بھیڑیئے نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کسان نے چڑ کر کہا: "بڑے بے صبر ہو۔ اتنی دیر سے یہی رٹ لگائے ہو۔ ارے بھائی ابھی تو اناج کو بوروں میں بھرنا پڑے گا۔ پھر بوروں کو چکی پر لے جانا پڑے گا۔ چکی پر اناج پسے گا۔ تو کہیں اس کا آٹا بنے گا۔"

"بس اب تو روٹی ملے گی۔ بڑا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ روٹی کے لیے۔"

"اماں ابھی سے روٹی ملے گی؟ ابھی تو تمھیں آٹا گوندھنا پڑے گا۔ جب آٹا خوب لیس دار ہو جائے تو پھر اسے گرم چولھے پر توا رکھ کر پکانا پڑے گا۔" کسان نے کہا۔

"بس پھر تیار ہو جائے گی روٹی۔" بھیڑیا بولا۔

ہاں اب جاکر روٹی تیار ہوئی۔ اب تم اطمینان سے روٹی کھا سکو گے۔" کسان نے اب اپنی بات ختم کی۔

بھیڑیا بڑی فکر میں پڑ گیا۔ اور بیٹھ کر اپنے پنجے سے سر کھجانے لگا۔ اور بولا۔ "بھئی یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔ ایک روٹی کے لیے اتنی محنت۔ مجھے تو کوئی آسان سی ترکیب بتاؤ۔"

کسان نے کہا۔ "بھئی اگر تم محنت کر کے روٹی حاصل کرنا نہیں چاہتے اور مفت کی روٹی کھانا چاہتے ہو، تو سُنو اس کا طریقہ بھی بتائے دیتا ہوں۔"

"ہاں، ہاں کوئی آسان سا طریقہ بتاؤ۔" بھیڑیئے نے بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"سنتے تو ہو نہیں۔ اپنی کہے جاتے ہو۔" کسان نے چڑ کر کہا۔ "تم میدان میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک گھوڑا گھاس چر رہا ہے۔ اس کے۔۔۔۔"

ابھی کسان نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی، کہ بھیڑیا بھاگتا ہوا گھوڑے کے پاس پہنچا اور بولا۔ "گھوڑے گھوڑے! میں تجھے کھانا چاہتا ہوں۔"

گھوڑا یہ سُن کر بڑے مزے میں مسکرایا اور بولا۔ "بھئی مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ ضرور کھا لو۔ البتہ میرے سُموں سے نال نکال دو۔ یہ لوہے کی ہیں۔ تمھارے مُنھ میں گڑیں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر گھوڑے نے اپنے سُم بھیڑیئے کی طرف کر دیئے۔ اور بھیڑیئے صاحب نال نکالنے کے لیے جیسے ہی بڑھے گھوڑے نے دو لتیاں جھاڑیں تو اسے دن میں تارے دکھائی دینے لگے۔ بھیڑیا چلاتا ہوا بھاگا۔

اب بھیڑیا دریا کے کنارے پہنچا۔ جہاں مرغابیاں بیٹھی تھیں۔ بھیڑیئے نے سوچا کہ میں ان مُرغابیوں کو کیوں نہ کھاؤں۔ چنانچہ مرغابیوں سے بولا۔ "بی مرغابی! میں

تم سب کو کھانا چاہتا ہوں۔"

مرغابیوں نے ہنستے ہوئے کہا "بڑی خوشی سے کھاؤ۔ ہاں مگر شرط یہ ہے کہ ہمارا ایک کام کردو۔"

"کیا کام ہے۔" بھیڑیئے نے کہا۔

"ہمیں ایک گانا سنادو۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر بھیڑیا ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور سر اوپر اٹھا کر گانے لگا۔ اب مرغابیاں موقع پاکر اُڑ گئیں۔

اب تو بھیڑیا اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ میں بھی کیا بے وقوف ہوں۔ مرغابیوں کو گانا سنانے لگا۔ اب کسی سے ملوں گا تو بے وقوفی نہ کروں گا۔ بلکہ اسے فوراً کھاؤں گا

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایک بوڑھا آدمی نظر آیا تو اس نے اس سے دوڑ کر کہا کہ "بڑے میاں، بڑے میاں۔ میں تمھیں کھانا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" بڑے میاں نے کہا "لیکن بھائی پہلے ہم تم نسوار لے لیں۔ نسوار سے تمہیں میرے گوشت میں مزا بھی خوب آئے گا۔"

بھیڑیا نسوار لینے پر راضی ہوگیا۔ اور بڑے میاں نے اپنی جیب سے نسوار نکالی اور ڈبیا بھیڑیئے کے حوالے کردی۔

لالچی بھیڑیئے نے اسے اتنے زور سے سونگھا کہ اس کے حلق میں نسوار چلی گئی۔ اب اسے چھینکیں آنے لگیں اور اتنی چھینکیں آئیں کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایک گھنٹے تک چھینکتے چھینکتے اس کا برا حال ہوگیا۔ جب چھینکیں رکیں تو اس نے دیکھا کہ آدمی کا نام و نشان بھی نہ تھا

اب تو بھیڑیئے کو بہت افسوس ہوا۔ لیکن کرتا تو کیا۔ اپنی بے وقوفی پر خود ہی شرمندہ ہوا۔ اور آگے بڑھا۔ چلتے چلتے جب کافی دور نکل گیا تو اسے بھیڑوں

کا ایک گلہ نظر آیا۔ اور گلہ بان سو رہا تھا۔ بھیڑیئے نے سب سے موٹی بھیڑ کو پکڑ لیا۔ اور بولا "بھیڑ، بھیڑ! میں تمھیں کھانا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں" بھیڑ نے کہا۔ "میری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ لیکن بھیڑیئے میں چاہتی ہوں کہ جلدی مر جاؤں۔ اور میری ہڈیوں سے تمہارے دانت نہ ٹوٹیں۔ تم ایسا کرو۔ یہاں کھڑے ہو جاؤ منہ پھاڑ کر اور میں اوپر سے کود پڑوں۔"

چناں چہ بھیڑیا منھ پھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بھیڑ پہاڑی پر چڑھ گئی اور اس نے دوڑ کر بھیڑیئے کے سر پر وہ زور کی ٹھوکر ماری کہ بھیڑیا بے ہوش ہو گیا اور بہت دیر تک اسے ہوش نہ آیا۔

جب بھیڑیئے کو ہوش آیا تو وہ خون میں لت پت تھا۔ گھبرا کر بولا۔ "عجیب بات ہے۔ یہ بھیڑ بھی ہاتھ سے نکل گئی۔ اب کیا کروں۔"

اتنے میں وہ کسان بھی جس نے بھیڑیئے کو روٹی کے بارے میں بتایا تھا آ گیا۔ بولا "کوئی بات نہیں۔ لیکن تم کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ مفت کی روٹی کیسی ہوتی ہے۔"

(روس کی قدیم کہانی)

آئینہ کی کہانی

اب سے ہزاروں سال پرانی بات ہے۔ کسی گاؤں میں ایک آدمی رہتا تھا۔ جس کا نام تھا شوشو۔ وہ اپنی بیوی شی شی کے ساتھ رہتا تھا ــــ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک دن شوشو کسی کام سے باہر جارہا تھا۔ راستے میں اسے ایک آئینہ پڑا ملا۔ شوشو نے اس سے پہلے آئینہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس میں ایک آدمی کی شکل نظر آرہی تھی۔ صورت ایسی تھی جو اس نے پہلے کبھی دیکھی تھی۔ شوشو نے اپنے دماغ پر بہت زور ڈالا۔ پھر اس نے اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور یہ سوچنے لگا کہ اس کی شکل کس سے ملتی جلتی ہے۔ آخر اسے یاد آیا کہ اس کے باپ کی شکل بالکل ایسی ہی تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ اس نے ایک بار پھر آئینہ نکال کر دیکھا واقعی اس کے باپ کی شکل ہے جو کسی نے بنا دی ہے۔ اس کو جب اپنا باپ یاد آیا تو اس کی آنکھ میں آنسو آگئے۔ وہ بڑی دیر تک اپنے باپ کو یاد کرکے روتا رہا۔

شام کو جب شوشو گھر واپس آیا۔ تو اس نے بڑی احتیاط سے وہ آئینہ اپنے تکیے کے نیچے چھپاکر رکھ دیا۔ اب تو روزانہ شوشو جب بھی اپنے کام سے واپس آتا تو اپنی بیوی شی شی سے چھپ کر اس کو ضرور دیکھتا اور اپنے باپ

کو یاد کرتا تھا۔ اور جب اسے اپنا باپ یاد آتا تو پھر اسے اپنی ماں بھی یاد آنے لگتی جو اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ شی شی کو چھ سات دن تک تو کچھ پتا نہ چلا۔ لیکن اس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ کئی دن سے شو شو کچھ کھویا کھویا رہتا ہے۔ وہ اس سے ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتا۔ نہ پہلے کی طرح ہنستا بولتا ہے۔ آخر ایک دن جب شام کو شو شو اپنے کام سے واپس آیا تو شی شی دبے پاؤں سے اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ جب شو شو کمرے کے اندر چلا گیا تو شی شی چھپ کر دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ شو شو نے تکیے کے نیچے سے کوئی چیز نکالی ہے۔ اور اسے بڑے غور سے دیکھا اور پھر ذرا سی دیر میں اس کی آنکھ میں آنسو آگئے۔ شو شو نے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے اس چیز کو پھر تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ شی شی اپنے شوہر سے بے حد محبت کرتی تھی۔ اس کا شوہر پریشان ہو وہ یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ اور اس نے بڑھ کر کہا۔

"شو شو، کیا بات ہے، تم پریشان ہو؟"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ تم اپنا کام کرو" شو شو نے کپڑے سے منہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی بات ضرور ہے۔ تم کو بتانا پڑے گا۔ تم کو میری جان کی قسم بتادو نا۔" شی شی نے بڑی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔ مجھے اپنا باپ یاد آگیا تھا۔"

"مجھے بے وقوف بناتے ہو، باپ کو مرے ہوئے نہ جانے کتنا زمانہ گزرا۔ اب اُسے یاد کرنے بیٹھے ہو۔"

"اچھا چلو اب کھانا کھائیں۔" شو شو نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

اگلے دن جب شو شو اپنے کام پر چلا گیا تو شی شی نے سوچا کہ اب دیکھنا

چاہیئے کہ شوشو نے اپنے تکیے کے نیچے ایسی کون سی چیز رکھ دی ہے، جسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب جو اس نے تکیہ ہٹایا تو اس میں ایک عجیب و غریب چیز نکلی۔ جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس نے جو غور سے دیکھا تو اس میں ایک لڑکی کی تصویر نظر آئی۔ جس کے بال لمبے خوب صورت اور گھنگھریالے تھے۔ لانبی لانبی کالی پلکیں۔ بڑی بڑی چمکدار آنکھیں۔ اور گورے گورے گال۔ اب تو جیسے وہ ساری بات سمجھ گئی۔ غصّے میں اس نے وہ آئینہ ایک طرف پھینک دیا۔ لیکن ذرا سی دیر کے بعد جب غصّہ کم ہوا تو اس نے احتیاط سے آئینہ اپنے پاس چھپا کر رکھ لیا۔ اور لگی انتظار کرنے کہ جب شوشو آئے گا تو اس سے جھگڑا کروں گی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ شوشو ضرور اس آئینے والی لڑکی سے محبت کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کئی روز سے اس سے ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتا۔ اور یہ سوچ کر تو اسے اور بھی غصّہ آیا، کہ شوشو نے اس کی جان کی قسم کی بھی پرواہ نہیں کی اور جھوٹ موٹ کہہ دیا۔ حالانکہ روزانہ اس لڑکی کو دیکھتا ہے۔

شام کو جب شوشو واپس آیا تو شی شی بڑے زور سے بگڑی "جھوٹ بولتے ہو شرم نہیں آتی۔ مجھ سے کہتے ہو کہ مجھے اپنا باپ یاد آتا ہے" شوشو بے چارہ یہ سُن کر گھبرا گیا۔ اس نے کہا "شی شی، یہ تم کو ہو کیا گیا۔ جو اتنی ناراض ہو"

"مجھ کو ہو گیا یا تم کو۔ جو روز شام کو روتے ہو" شی شی سے غصّے میں بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"آخر بات تو بتاؤ۔ اتنے غصّے کی وجہ کیا ہے" اس نے اور زیادہ گھبرا کر پوچھا۔ "وجہ مجھ سے پوچھتے ہو۔ اپنے آپ سے پوچھو، جو ایک لڑکی کی تصویر تکیے کے نیچے چھپا کر رکھتے ہو" اب شی شی سے اور زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ اور اس نے بتا ہی دیا۔

شوشو سمجھ گیا کہ شی شی کا اشارہ کدھر ہے۔ اس نے بڑی خوشامد کرتے ہوئے کہا " ارے وہ تصویر۔ شی شی وہ تصویر تو میرے باپ کی ہے، جسے تم ایک لڑکی کی تصویر سمجھ رہی ہو۔"

" وہ تمہارے باپ کی تصویر ہے؟ مجھے جھٹلاتے ہو۔" ابھی وہ لڑکی کی تصویر نہیں ہے۔ واقعی میرے باپ کی تصویر ہے۔ میرا باپ بالکل ایسا ہی تھا۔" شوشو نے پریشان ہو کر کہا۔

" تمہارے باپ کی۔ جیسے میں کوئی بے وقوف ہوں کہ عورت اور مرد کی تصویر میں کوئی فرق نہیں کر سکتی۔ وہ ایک لڑکی کی تصویر ہے۔ میں خوب پہچانتی ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔"

" تم بھی عجیب آدمی ہو۔ خواہ مخواہ شک کرتی ہو۔ میں تم کو کیسے یقین دلاؤں۔ ارے شی شی! تم نے میرے باپ کو نہیں دیکھا۔ یہ تصویر واقعی اس کی تصویر ہے۔"

" وہ لڑکی کی تصویر ہے۔" شی شی نے بڑے یقین سے کہا۔ " وہ لڑکی کی تصویر نہیں ہے۔" شوشو نے بھی اتنے ہی یقین سے کہا۔ اب تو میاں بیوی میں خوب زوروں سے جھگڑا ہونے لگا۔ اور شی شی نے جلدی سے کمرے کے اندر سے آئینہ لاکر سامنے کر دیا۔ اور بولی " یہ لڑکی ہے یا تمہارا باپ۔" شوشو نے بڑے غور سے دیکھ کر کہا۔ " کتنی بے وقوف ہو تم بھی۔ اس کو لڑکی کی تصویر کہہ رہی ہو یہ تو۔ ۔ ۔ اور ذرا غور سے آنکھیں کھول کر دیکھو۔ اس نے آئینہ شی شی کی طرف بڑھا دیا۔ اب شی شی نے اسے بڑے غور سے دیکھا اور بولی " تم منہ پر جھوٹ بولتے ہو۔ تم خود ہی دیکھو۔ مجھے کیا دکھاتے ہو۔ عورت کی تصویر کو مرد کی تصویر کہتے ہو۔ دیکھتے نہیں مجھے دیکھ کر کیسی جلی جا رہی ہے۔"

اتفاق سے اسی راستے سے ایک پر دیسی گزر رہا تھا۔ اس نے جو دیکھا کہ میاں بیوی آپس میں اس بُری طرح لڑ رہے ہیں۔ تو اس نے بھی سوچا کہ کیوں

نہ ان کا جھگڑا طے کرا دوں۔ یہ سوچ کر کے وہ آگے بڑھا اور بولا۔
"کیوں بھئی، ایسی کیا بات ہے جو تم لوگ آپس میں لڑ رہے ہو۔ لڑائی جھگڑا بہت بُرا ہوتا ہے۔ شی شی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس اس مہا پرش کے انتظار میں تھی۔ اس نے کہا۔" بابا جی! ان کے پاس سے ایک لڑکی کی تصویر نکلی ہے جس سے یہ محبت کرتے ہیں۔ اور اکثر اسے دیکھ دیکھ کر روتے ہیں۔ اب جو میں نے دیکھ لیا تو کہتے ہیں کہ میرے باپ کی تصویر ہے۔ آپ ہی دیکھئے، یہ عورت کی تصویر ہے یا مرد کی۔ صاف عورت کی تصویر ہے۔" یہ کہہ کر اس نے وہ آئینہ پروہت کو دے دیا۔
پروہت نے اسے جو ہاتھ میں لیا تو اسے بڑے زور کی ہنسی آئی۔ اور بولا۔ "تم دونوں بڑے بے وقوف ہو۔ نہ تو یہ تمھارے باپ کی تصویر ہے۔ نہ کسی عورت کی۔ یہ تو کسی بڑے مہا پُرش کی تصویر ہے۔ اس کا تمھارے گھر میں کیا کام؟"
پروہت کی زبان سے نہ سنتے ہی شوشو اور شی شی دونوں اس آئینے کی طرف بڑھے۔ اب تو وہ تینوں گھبرا گئے۔ شوشو بولا۔" ارے شی شی! تم میرے باپ اور بابا جی کے ساتھ ——— ارے یہ کیسے!؟"
بابا جی بولے۔" تم دونوں میاں بیوی، مہا پُرش کے ساتھ یہ کیسے!" شی شی، "ارے شوشو، تم اور وہ لڑکی بابا جی کے ساتھ کیسے!" اور پھر تینوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بابا جی نے کہا۔" یہ ضرور کوئی جادو کی چیز ہے۔ کسی جادوگر نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ بہتر ہے کہ اسے کہیں پھینک دیں۔" اور پھر تینوں نے جا کر اسے پاس والے کنوئیں میں پھینک دیا۔ اور پھر اطمینان کا سانس لیا ——— اور اس خطرناک جادو کی چیز کا خاتمہ کر دیا۔ جس نے ان کے گھر میں جھگڑا کھڑا کر دیا تھا۔ اور پھر شوشو اور شی شی ایک دوسرے کے گلے ملے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جب دو روٹھے گلے ملتے ہیں تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

(ایک جاپانی لوک کہانی)

آئیے! آج آپ کو ایک بہت پرانی کہانی سنائیں. اتنی پرانی جتنی یونانی
جھیتا. کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ تین کچھوے پانی میں رہتے رہتے تھک گئے. انھوں
نے سوچا کہ پہاڑوں کی سیر کرنا چاہیے. جہاں دیوتا رہتے ہیں. جہاں ہر وقت
شانتی اور سناٹا رہتا ہے. جہاں سمندر جیسے طوفان نہیں آتے. یہ سوچنا تھا کہ وہ
تینوں کچھوے پہاڑ کی سیر کے لیے نکل پڑے. انھوں نے اپنے ساتھ اپنے کھانے
کا بہت سا سامان لیا. ان کا سفر بہت لمبا تھا. کیوں کہ سمندر سے پہاڑ کا فاصلہ
سیکڑوں میل کا تھا. پھر یہ کہ کچھوے ذرا رینگ رینگ کر ہی تو چلتے ہیں. مگر یہ
تو آپ جانتے ہیں کہ کچھوے بڑے مستقل مزاج ہوتے ہیں. آپ نے سنا ہوگا
کہ ایک بار ایک کچھوے نے اپنی مستقل مزاجی سے ایک خرگوش کو دوڑ میں ہرا
دیا تھا. اور لوگوں کو یہ سبق دیا تھا کہ آدمی بھی چاہے تو مستقل مزاجی سے
اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے. ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ تینوں ہی
کچھوے پہاڑ کی طرف چل پڑے. چلتے رہے. چلتے رہے. راستہ دور تھا اور
ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ. لیکن وہ کچھوے بھی دُھن کے پکے تھے. وہ ہر تکلیف کا
مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے. بالآخر ان کو پہاڑ دکھائی دیے. جن
کی چوٹی برف سے ڈھکی ہوئی تھی. ان کو یہاں پہنچتے پہنچتے بیسیوں سال گزر گئے

تھے۔ اتنے دن کے بعد جو انہیں منزل دکھائی دی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انھوں نے پہاڑ کے دامن میں ایک بہت اچھی جگہ پسند کی اور سوچا کہ یہاں کچھ دن آرام کریں۔ اور اس شانتی کے استھان کا کچھ مزا لوٹیں۔ انھیں یہ جگہ بہت پسند آئی۔ ہوا بھی ہلکے ہلکے چل رہی تھی۔ یوں تو سردی کا ٹھکانہ تھا لیکن کچھوے کی کھال اتنی موٹی ہوتی اور اتنی سخت ہوتی ہے کہ فولاد ہی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے اس لیے اس میں سردی کا کیا اثر ہوتا۔ برفیلی ہوائیں آتیں تو کچھوے اپنا منہ اپنی موٹی فولاد جیسی کھال میں چھپا لیتے۔ اور ان کو پتا بھی نہیں چلتا کہ ہوا میں ٹھنڈک تھی۔ ان کو یہاں پہاڑ کے دامن میں بہت اچھا لگا۔ اور ان کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ آدمی بھی کیسا مورکھ ہے کہ اتنی اچھی جگہ چھوڑ کر سمندروں میں گھومتا پھرتا ہے۔ ان کو بہت زور کی بھوک لگی۔ انھوں نے سوچا کہ کھانا کھانا چاہیے۔ یہ سوچ کر انھوں نے اپنا کھانا نکالا۔ اور بہت سے بڑے بڑے پتے اکٹھے کیے۔ اور پھر بڑے سلیقے سے ان پتوں پر اپنا کھانا نکالا۔ لیکن جب کھانا کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور ان کو خیال آیا کہ یہاں پر تو پانی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہر طرف برف ہی برف ہے۔ اب کھانے کے بعد پانی کیسے پئیں گے۔ پھر اگر پاس پڑوس میں پانی ملا تو پتا نہیں کیسا ہو۔ ان کی عادت تو سمندر کا پانی پینے کی تھی۔ اس سے ہی ان کا کھانا ہضم ہوتا تھا۔ تینوں کچھوے سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کیا جائے۔ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

بڑا کچھوا بولا: "منجھلے کچھوے تم جاؤ اور سمندر سے جاکر پانی لے آؤ۔ پھر اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں گے۔"

منجھلا کچھوا بولا: "میری تو رائے یہ ہے کہ چھوٹے کچھوے کو جانا چاہیے۔ وہ اس وقت بھی خاصا چست چالاک معلوم ہوتا ہے میں تو اس وقت بہت

تھک گیا ہوں۔"

چھوٹے کچھوے نے بہت آنا کانی کی مگر وہ دونوں اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس کی نہ چلی۔ آخر مجبوراً چھوٹے کچھوے کو ان کی بات ماننی پڑی۔ پر وہ بولا "میں چلا تو جاؤں مگر مجھے یقین ہے کہ میرے جانے کے بعد تم میرا انتظار کیے بغیر کھانا چٹ کر جاؤ گے۔ اور جب میں آؤں گا تو اس وقت مجھے کھانا بھی ملے گا تو وہ بھی جھوٹا ہوگا۔"

دونوں کچھوؤں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تمھارا انتظار کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

چھوٹا کچھوا سنجیدگی سے بولا "جی ہاں ضرور کرو گے۔ مجھے تو یقین ہے کہ تم ہرگز ہرگز میرا انتظار نہ کرو گے۔" مگر دونوں کچھوؤں نے بڑی خوشامد کی اور اس سے خوب اچھی طرح وعدہ کر لیا کہ جب تک تم نہ آؤ گے ہم کھانے میں ہاتھ نہ ڈالیں گے۔

آخر مجبوراً چھوٹا کچھوا چلا گیا۔ اب باقی دونوں کچھوے بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ انتظار کرتے کرتے مہینے گزر گئے۔ سال گزر گئے۔ دس سال گزرے۔ بیس سال گزرے۔ تیس سال گزرے۔ چالیس سال گزرے۔ پچاس سال گزرے۔ یہاں تک کہ سو سال گزرے۔ سو سال گزر گئے مگر چھوٹا کچھوا نہ آنا تھا نہ آیا۔ اب تو ان دونوں کا مارے بھوک کے بُرا حال ہو گیا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ چھوٹا کچھوا پانی لے کر نہ آجاتا۔ انھوں نے سوچا کہ اب زیادہ انتظار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اگر اس کو آنا ہوتا تو اب تک آجاتا۔

آخر بھوک سے بے قابو ہو کر ان دونوں کچھوؤں نے کھانے میں ہاتھ ڈالا۔ ابھی انھوں نے کھانا کھایا بھی نہ تھا کہ چھوٹا کچھوا چٹان کے پیچھے سے کودتا

ہٹا آیا۔ اور بولا:

"میں جانتا تھا کہ تم دونوں ہرگز ہرگز میرا انتظار نہ کرو گے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ اسی لیے تو میں گیا نہیں تھا۔ یہیں بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔"

دونوں کچھوے بھونچکا رہ گئے۔ لیکن کہتے تو کیا کہتے۔

(ایک یونانی لوک کتھا)